بسم اللہ الرحمن الرحیم

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ۲۷/۱، جنوری - جون ۲۰۱۲ء

اداریہ

قرآن کا تصورِ احسان

ظفر الاسلام اصلاحی

اللہ رب العزت کے فضل و کرم کی انتہا نہیں، بندوں پر اللہ کے احسانات حد و شمار سے باہر ہیں۔ صبح سے شام تک انسان اس کی عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے۔ زندگی کا کوئی لمحہ اس کی رحمت سے فیض یابی کے بغیر نہیں گذرتا، قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے اپنے احسانات وانعامات بار بار یاد دلائے ہیں۔ اس سے ایک مقصد تو یہ ہے کہ بندہ انھیں یاد کرکے شکر کے جذبہ سے لبریز ہو جائے، دوسرے اس کے اندر یہ احساس بیدار ہو جائے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس پر بے شمار انعامات فرمائے ہیں اور ہر لمحہ وہ ان سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بھی اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے، ان کے ساتھ نرمی، ہمدردی اور نیک برتاؤ سے پیش آئے اور حسب استطاعت انھیں مالی تعاون بھی دے۔ قرآن کریم کی اس آیت سے یہی سبق ملتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ. (القصص ۲۸/۷۷) — اور احسان کرو [لوگوں کے ساتھ] جیسا کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے۔

قرآن کریم میں لفظ احسان اور اس کے مشتقات متعدد آیات میں استعمال ہوئے ہیں۔ ان کے محلِ استعمال پر غور کرنے سے اس کے جو چند معانی سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) اللہ رب العزت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا۔

(۲) عمل صالح خالص اللہ کی رضا کے لیے انجام دینا یا عبادات و دوسرے معاملات میں خلوص نیت سے کام لینا۔

(۳) کسی کام کو خوش اسلوبی یا اچھے طریقہ سے انجام دینا۔

(۴) لوگوں کے ساتھ نیک برتاؤ اور خوش خلقی کا مظاہرہ کرنا۔

(۵) ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا۔

ذیل میں اسی سیاق میں متعلقہ آیات کی تشریح و ترجمانی مقصود ہے۔

انسان کے اللہ کے بندہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کی مرضی کے سامنے اپنے آپ کو ڈال دے، اس کی اطاعت و فرماں برداری میں اپنا سر تسلیم خم کر دے اور اس کی عبادت و بندگی کو اپنا فریضہ سمجھے، اس کی ایک بہترین مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ میں ملتی ہے۔ خواب میں اشارہ کے مطابق جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی رضا کی خاطر اپنے محبوب فرزند کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور اسے عملی جامہ پہنانا چاہا تو اللہ نے فرمایا:

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ. (الصافات ۳۷/۱۰۵)	تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی جزا دیتے ہیں۔

یعنی تو نے میری مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اطاعت و فرماں برداری کا مثالی نمونہ پیش کر دیا تو اب میرے محسن بندوں میں سے ہو گیا اور ہم محسنین کو ایسا ہی اجر عطا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بلند مقام سے مشرف فرمایا وہ بخوبی معروف ہے۔ وہ خلیل اللہ کے لقب سے نوازے گئے۔ بیٹے کی قربانی کے لیے وہ جس طرح بلا چوں چرا تیار ہو گئے اللہ نے اس واقعہ کو رہتی دنیا تک کے لیے ایک عظیم الشان یادگار قرار دے دیا اور ہر سال حج کے موقع پر قربانی کو مشروع قرار دے کر اسے ایک مستقل سنت ابراہیمی کا شرف عطا کیا اور سب سے اہم بات یہ کہ سب سے بڑی آزمائش میں کامیابی پر اپنی محبوبیت کے مقام سے سرفراز فرمایا۔ گویا اللہ کی خوشنودی کے

لیے اپنی قیمتی سے قیمتی چیز کو قربان کر دینے کو تیار ہو جانا احسان کی مثالی تعبیر ہے جو اللہ کی نگاہ میں انتہائی پسندیدہ ہے۔

اللہ کی عبادت، بندگی و اطاعت کا اصل مقصد اسی وقت حاصل ہوگا جب بندہ کی نیت خالص ہو، اس میں ریا و نمود کا شائبہ نہ ہو، صرف اللہ کی رضا مقصود ہو، احسان میں یہ کیفیت بھی شامل ہے۔قرآن میں جن لوگوں کے لیے ''محسن'' یا ''محسنین'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی مرضی کو اللہ کے تابع بنانے والے ہیں اور عبادت یا نیک عمل خالصۃً اللہ کے لیے کرنے والے ہیں، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

بَلٰی مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ. (البقرہ۲/۱۱۲)

حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور وہ اس کے لیے اچھی طرح عمل کرنے والا ہو اس کے لیے اپنے رب کے پاس اجر ہے ان کے لیے نہ تو خوف ہے اور نہ رنج۔

قرآن نے اسی طرز عمل کو بہترین دین قرار دیا ہے اور اسی کو ملت ابراہیمی کی پیروی سے موسوم کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ أَحْسَنُ دِيناً مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ واتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً.
(النساء۴/۱۲۵)

اور اس شخص سے بڑھ کر کس کا طریقہ زندگی ہوسکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور نیک روش اختیار کی اور یکسو ہو کر ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کی اس ابراہیم کے طریقہ کی جسے اللہ نے اپنا دوست بنالیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سامنے سپردگی اور اس کی اطاعت کافی نہیں ہے جب تک اس میں احسان کا پہلو نہ ہو یعنی وہ اچھے طریقہ سے اور خالصتاً اللہ کے لیے نہ کی گئی ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جس نے ظاہری و باطنی دونوں طور پر یہ خصوصیات پیدا کرلیں اسے ایک ایسا مضبوط سہارا مل گیا جو ٹوٹنے والا نہیں ہے، اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ سہارا اللہ کا سہارا ہے جس کے بارے میں قرآن کے الفاظ یہ ہیں:

فَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ مَوْلَاكُمْ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيْرُ. (الانفال ۸/۴۰)	جان لو کہ اللہ تمھارا سرپرست ہے اور وہ بہترین حامی اور مددگار ہے۔

گویا صفت احسان کی ایک تاثیر یہ ہے کہ بندہ کا اللہ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے، اسے نصرتِ خداوندی نصیب ہوتی ہے اور اس کا آخری انجام بہتر سے بہتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ وَإِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ. (لقمان ۳۱/۲۲)	اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کردے اور وہ احسان سے کام لینے والا ہو اس نے فی الواقع ایک بھروسہ کے قابل سہارا تھام لیا اور سارے معاملات کا آخری فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

رہی یہ حقیقت کہ احسان سے عبادت میں اخلاص اور عمل میں للّٰہیت مطلوب ہے حدیث جبرئیل سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا احسان کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت و بندگی تم اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، گرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو پر وہ تم کو دیکھتا ہے، اس احساس کے پیدا ہونے کا لازمی نتیجہ خشوع وخضوع اور اخلاص ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حدیث جبرئیل میں احسان کی جو تعریف کی گئی ہے وہ نماز کے ساتھ مخصوص ہے اس کی روشنی میں اس سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ نماز کی مقبولیت اور اس پر اجر عظیم کا مستحق ہونے کے لیے خشوع وخضوع اور اخلاص ضروری ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کیفیت کو صرف نماز کے ساتھ مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ جملہ عبادات اور اعمال صالحہ میں یہی کیفیت مطلوب ہے، اس لیے کہ خلوص نیت ہی پر ہر عمل کی مقبولیت منحصر ہے۔ عبادت یا نیک عمل کی بجا آوری کے وقت یہ احساس بندہ مومن کا خاصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ و ہر وقت حاضر و ناظر ہے اور وہ اس کی ہر حرکت وعمل کو دیکھ رہا ہے، یہی احساس عبادت یا بندگی بجالانے میں خشوع وخضوع کی ایک خاص کیفیت پیدا کرتا ہے جو اسے

اخلاص کے سانچہ میں ڈھال دیتا ہے، حدیث جبرئیل کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے بجا تبصرہ فرمایا ہے کہ اس میں احسان کی جو تعریف بیان کی گئی ہے اسے نماز کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ہر عبادت کی بجا آوری و ہر حکم الٰہی کی تعمیل سے ہے، خود ان کے اپنے الفاظ میں:

''حدیث میں تو ''تعبد'' کا لفظ ہے جس کے معنی مطلق عبادت اور بندگی کے ہیں، لہٰذا نماز کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ اسی حدیث کی ایک اور روایت میں بجائے ''تعبد'' کے ''تخشی'' کا لفظ آیا ہے یعنی (الاحسان) **ان تخشی الله کانک تراه** ۔ جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ احسان یہ ہے کہ تم خدا سے اس طرح ڈرو کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو اور اسی واقعہ کی روایت میں ایک موقع پر یہ الفاظ بھی آئے ہیں: **الاحسان ان تعمل لله كانك تراه** جس کا ترجمہ ہوگا کہ احسان اس کا نام ہے کہ تم ہر کام اللہ کے لیے اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ ان دونوں روایتوں سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ احسان کا تعلق صرف نماز ہی سے نہیں بلکہ انسان کی پوری زندگی سے ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ہر عبادت و بندگی اور اس کے ہر حکم کی اطاعت و فرماں برداری اس طرح کی جائے اور اس کے مواخذہ سے اس طرح ڈرا جائے کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہے اور وہ ہماری ہر حرکت و سکون کو دیکھ رہا ہے''۔ (محمد منظور نعمانی، معارف الحدیث، کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ، ۱۹۵۴ء، ۱/۶۹)

عبادت، بندگی و عمل صالح کو خالص اللہ کی رضا کے واسطے انجام دینا احسان کا ایک اعلیٰ مفہوم ہے جو قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہوتا ہے۔ قرآن کی بعض آیات سے اس کا دوسرا معنی جو مترشح ہوتا ہے وہ ہے کسی کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینا یا بحسن و خوبی اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانا۔ دراصل یہ مفہوم بھی احسان کے اصل معنی میں شامل ہے

اس لیے کہ عبادت کو بجالانے کا لازمی تقاضا ہی یہ ہے کہ اسے اللہ کے لیے خالص کیا جائے۔قرآن کریم میں انفاق فی سبیل اللہ یا نیک کام کے لیے مال خرچ کرنے کی تاکید ملتی ہے۔ایک آیت میں انفاق کی تاکید کے بعد اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَأَحۡسِنُوٓاْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِينَ ۔ (البقرہ ۲/۱۹۵)	اور [انفاق میں] احسان سے کام لو بے شک اللہ خوبی کے ساتھ کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس ہدایت سے مقصود یہ ہے کہ خوش دلی کے ساتھ مال خرچ کیا جائے، کسی کو مال دے کر احسان نہ جتایا جائے اور نیک کام کے لیے جو کچھ بھی مال خرچ کیا جائے اس سے اصلاً رضائے الٰہی مقصود ہو۔

قصاص کے اصول وضوابط بیان کرتے ہوئے قرآن میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اگر مقتول کے بھائی (یعنی ورثہ) قصاص معاف کردیں اور خوں بہا پر راضی ہو جائیں تو قاتل وان کے اہل خاندان کے ذمہ یہ فرض ہے کہ وہ معروف طریقہ سے یا دستور کے مطابق اس کام کو انجام دیں اور بطریق احسن خوں بہا ادا کردیں، اس قانون کو ذکر کرتے ہوئے بھی قرآن نے ''احسان'' کے ساتھ ادائیگی کا ذکر کیا ہے، ارشادالٰہی ہے:

فَمَنۡ عُفِيَ لَهُ مِنۡ أَخِيهِ شَيۡءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالۡمَعۡرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيۡهِ بِإِحۡسَانٍ ذَٰلِكَ تَخۡفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمۡ وَرَحۡمَةٌ. (البقرہ ۲/۱۷۸)	ہاں اگر قاتل کو اس کا بھائی معاف کردے تو دستور کے مطابق خوں بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس کی ادائیگی ہونی چاہیے، تمھارے رب کی طرف سے یہ ایک طرح کی تخفیف ہے اور رحمت ہے۔

یعنی دیت کی ادائیگی احسان مندی وشکرگزاری کے جذبہ کے ساتھ ہونی چاہیے، نقد یا جنس و مال کی صورت میں جو مقرر ہوئی ہے بلاکم وکاست اس کی ادائیگی کی جائے اور ادائیگی میں ٹال مٹول سے نہ کام لیا جائے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے آیت دیت کی تشریح کرتے ہوئے احسان کے ساتھ ادائیگی کا یہی مفہوم بیان کیا ہے (امین احسن

اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء، ۴۳۴/۱)۔ اس آیت کا آخری حصہ بڑا معنی خیز ہے یعنی اس بات پر زور دینا مقصود ہے کہ دیت کا قانون اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک مخصوص رعایت و مہربانی ہے قاتل و اس کے ورثہ کے لیے، لہٰذا اس کی قدر کرنی چاہیے اور انتہائی خوش اسلوبی سے اس معاملہ کو انجام دینا چاہیے۔

اسی طرح قرآن نے طلاق کے سلسلہ میں یہ اصولی ہدایت دی ہے کہ شوہر و بیوی میں نباہ نہ ہونے کی صورت میں طلاق وقفہ وقفہ سے دو بار دی جائے تاکہ سوچنے و سمجھنے اور اس ناپسندیدہ عمل پر نظر ثانی اور رجوع کی گنجائش باقی رہے۔ دوسری بار طلاق کے بعد قرآن کی خاص تعلیم یہ ہے کہ اگر رجوع کرنے کے لیے ذہن تیار ہو گیا ہے تو دستور اور شرعی ضابطہ کے مطابق شوہر بیوی کو اپنے نکاح میں باقی رکھے اور شریفانہ و مہذب انداز میں اس سے بیوی کی حیثیت سے تعلقات قایم رکھے، مقصود یہ کہ مراجعت سے مقصود اس کو دکھ پہنچانا اور تکلیف دینا نہ ہو اور اگر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ طلاق سے رجوع نہیں کرنا ہے بلکہ جدائی اختیار کرنا ہے تو قرآن نے شوہر کو یہ ہدایت دی ہے کہ اس معاملہ میں احسان سے کام لیا جائے، ارشاد ربانی ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ. (البقرہ۲/۲۲۹)	طلاق دو بار ہے پھر یا تو دستور کے مطابق عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقہ سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔

یعنی رخصتی خوش اسلوبی سے ہو اور جدائی کی راہ اختیار کرنے کے باوجود شوہر کو چاہیے کہ وہ اس موقع پر حسن سلوک اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرے۔ ایک طویل عرصہ تک اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے اور مہر و محبت کے روابط قایم رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ رخصتی کے وقت اسے عطایا و تحائف سے نوازا جائے اور انتہائی خوشگوار ماحول میں اسے رخصت کیا جائے۔

مذکورہ آیات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں احسان کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ معاملات کو خوش اسلوبی سے انجام دیا جائے یا انھیں بحسن

وخوبی پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ ظاہر ہے کہ معاملات کا تعلق زندگی کے مختلف پہلوؤں (خانگی، سماجی، معاشی وغیرہ) سے ہوتا ہے۔قرآن کی نگاہ میں ان تمام امور میں اچھے و بھلے طریقہ سے تصفیہ وتکمیل مطلوب ہے۔

ان سب کے علاوہ قرآن میں لفظ ''احسان'' جس معنی میں سب سے زیادہ استعمال ہوا ہے وہ ہے نیک برتاؤ، خیر خواہی، خوش خلقی، صلہ رحمی، دستگیری، اعانت اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں ان کے حق سے زیادہ دینا۔ پورا قرآن کریم اوامر ونواہی سے عبارت ہے۔ روزمرہ زندگی سے متعلق جن باتوں کی خاص تاکید کی گئی ہے ان میں احسان بھی شامل ہے، ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاء ذِيْ الْقُرْبٰى. (النحل ۱۶/۹۰)	بے شک اللہ انصاف، احسان اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

اس آیت میں خاص بات یہ ہے کہ انصاف کے ساتھ احسان وصلہ رحمی کا ذکر ہے۔ اس سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ انصاف کا لازمی تقاضا ظلم وزیادتی سے احتراز اور نیک برتاؤ ہے۔ سماجی زندگی کی بہتری، باہمی تعلقات کی خوش گواری اور معاشرہ میں امن و امان کے قیام کے لیے ان دونوں خوبیوں (عدل و احسان) کا فروغ پانا اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ انصاف کے مطالبات میں سے یہ ہے کہ بلا کسی امتیاز امیر وغریب، مسلم وغیر مسلم، اپنے وغیر سب کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جائے۔ حسن سلوک کے جہاں بہت سارے مظاہر ہیں ان میں ایک صلہ رحمی بھی ہے۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی خاص اہمیت رکھتی ہے اور حسنِ سلوک کے استحقاق میں والدین کے بعد انہی کا مقام آتا ہے۔ احسان کی مثالی صورت یہ ہے کہ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دی جائے اور ان کی حاجت روائی کے لیے اپنے وسائل پوری فراخ دلی کے ساتھ استعمال کیے جائیں، ان کا جو حق عاید ہوتا ہے اس سے زیادہ انھیں دیا جائے۔ اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ لوگوں کو دل آزاری اور ایذا رسانی سے محفوظ رکھا جائے۔ اس کی ایک بہترین ترجمانی ایک حدیث سے ملتی ہے

جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر صدقہ کرنا واجب ہے، دریافت کیا گیا کہ اگر اس کے پاس صدقہ کے لیے کچھ نہ ہوتو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کام کرے۔ اپنے کو نفع پہنچائے اور اسی کمائی سے صدقہ بھی کرے، معلوم کیا کہ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہوتو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی پریشان حال حاجت مند کی مدد کرے۔ پوچھا گیا اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھی باتوں کا حکم دے۔ دریافت کیا کہ اگر اس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ برائی سے بچا رہے (یعنی دوسروں کو نقصان پہنچانے سے باز رہے) یہ بھی صدقہ ہے۔ (امام بخاری، الادب المفرد، المطبعۃ السفیہ، القاہرہ، ۱۳۷۸ھ، ۱/۳۱۶-۳۱۷، ۴۰۴-۴۰۵)

گرچہ اس حدیث میں برائی یا دل آزاری سے باز رہنے کو صدقہ کہا گیا ہے اور اس کے لیے احسان کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے لیکن یہاں یہ ملحوظ رہے کہ صدقہ وخیرات بھی احسان یا نیکوکاری کی ایک معروف شکل ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کریم میں احسان یا اچھے سلوک کی سب سے زیادہ تاکید والدین کے ضمن میں ملتی ہے۔ سچ پوچھیے تو انسانوں میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے اس لیے کہ انہی کے احسانات سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کے مقام ومرتبہ کی عظمت اور ان کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت و بندگی کے حکم کے فوراً بعد والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کی تاکید کی ہے اور ایک دو نہیں بلکہ متعدد آیات میں ان کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوا بِهٖ شَيۡئًا وَبِالۡوَالِدَيۡنِ إِحۡسَانًا. (النساء ۴/۳۶)	اور اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَوَصَّيۡنَا الۡإِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ إِحۡسَانًا. (الاحقاف ۴۶/۱۵)	اور ہم نے انسانوں کو والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کی ہے۔

اس سلسلہ میں سورہ بنی اسرائیل کی وہ آیات (۲۳-۲۴) اس لحاظ سے بڑی اہم ہیں جن میں نہ صرف یہ کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت ملتی ہے بلکہ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے کیا تقاضے ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً.

(بنی اسرائیل ۱۷/۲۳-۲۴)

اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ بھلائی کرو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اف تک نہ کہو اور نہ انھیں جھڑکو، اور ان سے نرمی سے بات کہو، ان کے سامنے عاجزی وانکساری سے جھکے رہو محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور دعا کرو کہ اے پروردگار ان دونوں کے ساتھ رحم کا معاملہ فرما جس طرح بچپن میں انھوں نے [محبت و شفقت سے] میری پرورش فرمائی تھی۔

•

ان آیات سے والدین کے سلسلہ میں جو ہدایات ملتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱- ان کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا جائے۔

۲- ان کے ساتھ نرمی سے بات کی جائے، یعنی ان سے گفتگو میں شریفانہ انداز اختیار کیا جائے، سخت لہجہ سے پرہیز کیا جائے۔

۳- ان کی کوئی بات ناگوار گذرے تو انہیں اف تک نہ کہا جائے یعنی ان سے ذرا بھی ناگواری کا اظہار نہ کیا جائے۔

۴- کسی بھی حالت میں ان کو جھڑکا یا ڈانٹا نہ جائے۔

۵- ان کے سامنے عاجزی وانکساری ظاہر کی جائے یعنی ان کے تئیں اطاعت و خدمت کا رویہ اختیار کیا جائے۔

۶- انھوں نے جو شفقتیں کی ہیں اور پرورش و پرداخت میں جو زحمتیں اٹھائی ہیں انہیں یاد کرکے اللہ سے یہ دعا کی جائے کہ اللہ ان کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ فرمائے۔

ہم سب اس سے بخوبی واقف ہیں کہ اللہ رب العزت کے احسانات بے شمار ہیں، قرآن کریم کی یہ تعلیم ہے کہ کوئی لمحہ بھی اس کی شکر گزاری سے خالی نہیں رہنا چاہیے۔ اسی کے ساتھ اولاد پر والدین کے جو احسانات ہیں ان کی قدر دانی اور حق ادا کرنے کی تعلیم بھی قرآن سے ملتی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنا شکر ادا کرنے کی ہدایت کے فوراً بعد والدین کا شکر ادا کرنے کی تاکید کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ. (لقمن ۱۴/۳۱) [ہم نے یہ وصیت کی ہے کہ] میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کے شکر گزار رہو۔

قرآن کریم کی نگاہ میں (جیسا کہ اوپر بھی اشارہ کیا گیا) والدین کے بعد حسن سلوک کے سب سے زیادہ مستحق رشتہ دار ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ محبت و شفقت اور اعانت و ہمدردی میں اعزہ و اقارب ہی پیش پیش رہتے ہیں۔ ہر شخص کو قدم قدم پر ان کی حمایت حاصل رہتی ہے اس لیے بجا طور پر والدین کے بعد انہی کا حق ہوتا ہے قرآنی آیات سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہوتی ہے۔ اوپر ایک آیت گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس آیت میں پہلے عام انداز میں سب کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے اس میں اقرباء بھی شامل ہیں پھر ان کا الگ سے بھی ذکر ہے اس سے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ایک دوسری آیت میں عام انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ. (بنی اسرائیل ۲۶/۱۷) اور قرابت دار کو اس کا حق ادا کرو۔

یہاں حق بڑے وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا تعلق مالی امداد سے ہے، نیک برتاؤ و خوش خلقی سے ہے اور ان کے ساتھ تعلقات و معاملات کو خوش اسلوبی سے نبھانے سے بھی ہے۔ قرآن میں سوجھ بوجھ رکھنے والوں اور حق کو قبول کرنے والوں کی یہ

صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ ان رشتوں کو جوڑتے ہیں جنھیں اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور ظاہر ہے کہ رشتوں کی مضبوطی اسی بات پر منحصر ہے کہ دیانت داری سے ان کا حق ادا کیا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَنْ يُوْصَلَ. (الرعد ۲۱/۱۳)	اور وہ (عقل والے) ان رشتوں کو جوڑتے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کو جوڑا جائے۔

قرآن کریم میں مومنین کی اعلیٰ صفات میں اسے بھی شامل کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں اپنے محبوب مال کو اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرتے ہیں (بقرہ/۱۷۷)۔ ایک حدیث کے مطابق رشتہ داروں کی مالی اعانت سے دوہرا ثواب ملتا ہے۔ ایک محتاج کی اعانت کا اور دوسرے صلہ رحمی کا (**جامع ترمذی، باب ماجاء فی الصدقة علی ذی القرابة**)۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سورہ نساء کی ایک آیت میں حسن سلوک کی ہدایت میں والدین و رشتہ داروں کے علاوہ ان لوگوں کا صراحت سے ذکر ہے جن کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا خاص طور پر مطلوب ہے یا جو حسنِ سلوک کے زیادہ مستحق ہیں اور یہ ہیں: یتامیٰ، غرباء، رشتہ دار پڑوسی، اجنبی پڑوسی، قریبی رفیق، مسافر اور مملوک یا مملوکہ (کنیز یا غلام)۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِیْ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِیْ الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ. (النساء ۳۶/۴)	اور ماں باپ کے ساتھ و رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار پڑوسی، اجنبی پڑوسی، قریب کے ساتھی، مسافر اور ان لوگوں کے ساتھ بھی نیک برتاؤ سے پیش آؤ جو تمھارے قبضہ میں ہوں [یعنی لونڈی اور غلام]۔

اس آیت میں جن لوگوں کے ساتھ خاص طور سے نیک برتاؤ کی تاکید کی گئی ہے یا تو وہ لوگ ہیں جن سے نسب یا قرابت کا تعلق ہے یا وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ روزمرہ

زندگی میں ساتھ ساتھ رہنا سہنا رہتا ہے یا پھر وہ لوگ ہیں جو غربت یا کمزور حالت کی وجہ سے ہمدردی و تعاون کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ اوپر کی آیات کی تشریح و ترجمانی سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ قرآن بلا کسی تفریق سب کے ساتھ احسان کا رویہ اپنانے کی تعلیم دیتا ہے لیکن خاندان و معاشرہ کے جو افراد اس کے لیے خصوصی توجہ کے مستحق ہیں ان کی صراحت بھی کردی ہے تاکہ لوگ اسی کے مطابق قرآنی تعلیمات پر عمل کریں اور احسان کا رویہ اپنانے میں پوری سنجیدگی کا ثبوت دیں۔

حسن سلوک سے پیش آنا، نیک برتاؤ کرنا، خیر کا معاملہ کرنا، بھلا چاہنا، کسی کے کام آنا، اخلاقی و مالی تعاون دینا احسان کی مختلف صورتیں ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اور اعلیٰ صفات اور پسندیدہ اعمال ہیں جن کی تعبیر کے لیے بھی قرآن میں احسان کا لفظ استعمال ہوا ہے، جیسا کہ درج ذیل آیات کی تشریح و ترجمانی سے واضح ہوگا۔

تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے والے، اللہ کے خوف سے برائی و گناہ کے کاموں سے اپنے آپ کو بچانے والے، مشکل سے مشکل حالات میں دین پر جمے رہنے والے اور آلام و مصائب سے دوچار ہونے پر صبر و ضبط کا رویہ اپنانے والے بھی قرآن کی نگاہ میں محسنین یا احسان کی روش پر چلنے والے لوگ ہیں۔ اللہ کے یہاں ایسے لوگوں کا مقام بہت بلند ہے اور وہ اجر عظیم کے حق دار ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ. (یوسف ۱۲/۹۰)	جو کوئی تقویٰ کی روش اختیار کرے اور صبر کا رویہ اپنائے [تو وہ جان لے کہ] بلاشبہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔
وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ. (هود ۱۱/۱۱۵)	اور صبر کرو بے شک اللہ احسان کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔

پہلی آیت اس پس منظر میں کافی اہمیت رکھتی ہے کہ یوسف علیہ السلام بچپن میں اپنے بھائیوں کے حاسدانہ و ظالمانہ سلوک کے شکار ہوئے۔ کنوئیں میں ڈالے گئے، غلامی کی آزمائش سے دوچار ہوئے پھر بیجا الزام پر اسیری کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان تمام

حالات میں انھوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، بہکاوے اور شیطانی فریب کی بدولت لغزش کھانے کے مواقع درپیش ہوئے تو انھوں نے نفس امارہ سے مجاہدہ کیا اور پرہیزگاری کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا، ان کی نیک روش، دین پر ثابت قدمی اور صبر و استقلال کا صلہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور انھیں کٹھن آزمائشوں سے نجات عطا کیا یہاں تک کہ وہ مصر کی حکومت میں ایک اہم عہدہ پر فائز ہوئے اور حکومت کے خزانہ کے ذمہ دار بنائے گئے۔ قحط کے زمانہ میں لوگوں کو غلہ کی تقسیم انہی کے ذمہ تھی، جب ان کے برادران بھی محتاج بن کر ان کے سامنے حاضر ہوئے اور ان کے خصوصی تعاون کے طلب گار ہوئے، آخر میں جب انھیں معلوم ہوگیا کہ افسر خزانہ جس کے سامنے وہ حاضر ہیں ان کا وہی ستم رسیدہ بھائی ہیں جسے انھوں نے کنوئیں میں ڈال دیا تھا اور اذیت کی زندگی سے دوچار کردیا تھا تو اس وقت اللہ رب العالمین نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو مختلف قسم کی آزمائش سے نجات کے بعد جو اعزاز و اکرام نصیب ہوا یہ جزا ہے ان کے تقویٰ و صبر یعنی احسان کا رویہ اپنانے کا اور یہ کہ پروردگارِ عالم ہرگز ہرگز محسنین کا اجر ضایع نہیں کرتے۔

اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرنا، دین حق کی راہ میں جدو جہد کرنا، حق مخالف قوتوں سے نبرد آزما ہونا خواہ وہ اپنا نفس ہو یا شیطان یا انسانوں میں سے حق کا انکار کرنے والے یہ بھی احسان کی روش اختیار کرنے والوں کا خاصہ ہے یا محسنین کے اوصاف میں سے ہے جو لوگ اس وصف کے مالک ہوتے ہیں اللہ ان کے لیے سیدھی راہ پر چلنا آسان بنادیتا ہے، اپنی رضا کے حصول کے لیے ان کی رہنمائی فرماتا ہے اور انھیں اپنی تائید و نصرت سے سرفراز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ. (العنکبوت ۲۹/۶۹)	اور جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انھیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکوکاروں کے ہی ساتھ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین کی خاطر جدو جہد کرنا، مخالف قوتوں سے ٹکر لینا اور

دین حق کا بول بالا کرنے کے لیے پوری تگ و دو کرنا بھی احسان ہے، جس سے راہ حق پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی سرزمین کو فساد و انتشار سے پاک رکھنا، امن و امان کے قیام کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا بھی قرآن کی نگاہ میں احسان ہے اس لیے کہ اس کا تعلق بہر حال لوگوں کی جان و مال کے تحفظ اور انسانی حقوق کی پاسبانی سے ہے۔ ان باتوں پر توجہ دینا اور لوگوں کو چین وسکون دینے کے لیے کوشش کرنا انسان کے خیر وفلاح کی ضمانت دیتا ہے۔ اس کا براہ راست تعلق لوگوں کے ساتھ احسان کرنے سے ہے اور ایسا کرنے والے یقینی طور پر اللہ کے خصوصی فضل و کرم کے مستحق ہوتے ہیں۔ یہ آیت اسی حقیقت کی ترجمان ہے:

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ. (الاعراف ۵۶/۷)	اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور اللہ ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ، یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔

راہ حق کے واضح ہو جانے کے باوجود اس سے انحراف کرنا اور اس راہ کو اختیار کرنے والوں کو اس سے روکنا قرآن کی اصطلاح میں بہت بڑا فساد ہے۔ خالق و مالک سے تعلق مضبوط کرنا اور دوسروں کا تعلق بھی اس سے مضبوط ہو جائے اس کے لیے کوشش کرنا یہ سب سے بڑی اصلاح ہے اور یہ احسان کی ایک معروف شکل ہے جو اللہ کی رحمت کو قریب لاتی ہے۔

قرآن کے نقطہ نظر سے احسان یہ بھی ہے کہ دوسروں کی خطاؤں کو معاف کر دیا جائے، ان کی غلطیوں سے چشم پوشی اختیار کی جائے اور ان سے تعلقات میں اعلیٰ ظرفی و کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا جائے۔ اللہ رب العزت اس نیک روش اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور انھیں دوست رکھتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ. (المائدہ ۱۳/۵)	پس انھیں معاف کر دو اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہو اور اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روش اختیار کرتے ہیں۔

خدا ترس مومنین کے امتیازی اوصاف میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے:

وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ.
(آل عمران ۳/۱۳۴)

اور جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں، ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔

حقیقت یہ کہ غصہ کی حالت میں انسان بے قابو ہو جاتا ہے اور انتقامی جذبہ سے مغلوب ہو جاتا ہے تو دوسروں پر زیادتی کر بیٹھتا ہے، انھیں ظلم وستم کا نشانہ بناتا ہے، یا اس سے ایسی حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں جو جان و مال کے لیے خطرہ اور انسانی حقوق کی پامالی کا باعث بنتی ہیں۔ اسی لیے مذکورہ آیت میں غصہ پی جانے اور معاف کر دینے کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ روش بہت سے شر سے محفوظ رکھتی ہے، عداوت و انتقام کے جذبات کو دباتی ہے اور بہتر وخوش گوار تعلقات کے لیے راہ ہموار کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احسان کی ادا اللہ کو بہت پسند آتی ہے اور محسنین کو اللہ کے محبوب بندے ہونے کا بلند مقام نصیب ہوتا ہے۔

مذکورہ مباحث سے اللہ کے بندوں یا انسانوں کی نسبت سے احسان کا جو سب سے اہم پہلو سامنے آتا ہے وہ یہ کہ ایسا کام کرنا جو دوسروں کے لیے نفع بخش ہو یا جس میں خیر کا پہلو ہو احادیث سے بھی اس نوع کے عمل کی بڑی ترغیب ملتی ہے۔ یہ حدیث بہت مشہور ہے: **خیر الناس انفعھم للناس** (تم میں بہتر وہ شخص ہے جو دوسروں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہو)۔ اس طرح ایک دوسری حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ نیکی کے کسی کام کو حقیر نہ سمجھو، اپنے بھائی سے مسکراتے ہوئے چہرہ سے مل لو یہ بھی نیکی ہے **(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب استحباب طلاقة الوجه عنداللقاء)**

احسان کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ جو لوگ اس صفت سے متصف ہوتے ہیں وہ اللہ رب العزت کی نگاہ میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ قرآن کی متعدد آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خصوصی فضل و کرم کا معاملہ فرمائے گا، انھیں طرح طرح کے انعام واکرام سے سرفراز کرے گا اور اخروی

زندگی میں انھیں لازوال نعمتیں نصیب فرمائے گا۔ قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب یہ ہے کہ جب کسی چیز کی اہمیت کی طرف ذہن کو متوجہ کرنا ہوتا ہے تو بعض اوقات اسے استفہامیہ انداز میں پیش کرتا ہے اور اس کا جواب مخاطب کے ذہن پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ خود اس پر اپنا ذہن لگائے اور غور و فکر کرے تو اس کا جواب مل جائے گا۔ احسان کی جزا واضح کرنے کے لیے ایک جگہ قرآن نے یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ. — نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

(الرحمٰن ۵۵/۶۰)

اس سے مقصود یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ جس شخص نے دنیا میں رہتے ہوئے دینِ حق کا راستہ اختیار کیا۔ اس پر چلتے ہوئے طرح طرح کی آزمائشیں برداشت کیں، اللہ کے مقررہ فرائض کو دیانت داری کے ساتھ پورا کرتا رہا، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی بھی پاس داری کی، اللہ کی عبادت میں انہماک کے ساتھ لوگوں کے ساتھ نیک برتاؤ، حسن اخلاق، محبت و ہمدردی، فیاضی و سخاوت کا مظاہرہ کیا۔ کیا اللہ رب العزت ان سب اعمالِ صالحہ کا بہترین صلہ نہ عطا فرمائے گا؟ یعنی اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ پروردگارِ عالم ایسے اصحاب ایمان کو اپنے یہاں اجر عظیم اور ثوابِ کثیر سے نوازے گا، اس طرح کی آیات سے احسان کی روش اختیار کرنے والوں کو تسلی واطمینان دلانا مقصود ہے اور دوسروں کو اس راہ میں آگے بڑھنے کی ترغیب دینا بھی مطلوب ہے۔ ذیل کی سطور میں آیات کے حوالہ سے اس کی مزید وضاحت ہوجائے گی کہ اللہ تعالیٰ احسان کی صفت سے متصف ہونے والوں کو اس دنیا میں کیسے کیسے نوازتا ہے اور آخرت میں ان کے ساتھ کس قدر اعزاز واکرام فرمائے گا۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُم مُّحْسِنُوْنَ. (النحل ۱۶/۱۲۸) — بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان کا معاملہ کرتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر ایک شخص کے لیے خوش نصیبی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ کی

تائید ونصرت نصیب ہو، اس پر مزید یہ کہ انھیں دنیا میں ان کے محسنانہ عمل کا ثواب ملے اور آخرت میں بھی وہ بہترین اجر کے مستحق قرار پائیں جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے:

فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ. (آل عمران ۳/۱۴۸)	اور اللہ نے انھیں دنیا کا ثواب دیا اور اس سے بہتر ثوابِ آخرت بھی عطا کیا۔ اللہ محسنین کو پسند فرماتا ہے۔

محسنین کے سلسلہ میں یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ اوپر کی آیت کے علاوہ متعدد دیگر آیات (البقرہ ۲/۱۹۵، ۹۳، آل عمران ۳/۳۴، المائدہ ۵/۱۳) میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محسنین کو دوست رکھتا ہے یعنی وہ اس کے محبوب بندے ہیں، بڑے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کو اس بات سے کافی خوشی ہوتی ہے کہ اس کی خواہش پوری ہوجائے اور اس کی مراد مل جائے۔ صاحبِ ایمان اخروی زندگی میں اپنی تمنا برآتے ہوئے دیکھیں گے تو اور مسرور ہوں گے۔ احسان کی روش اختیار کرنے والوں کے بارے میں قرآن کا یہ اعلان ہے کہ انہیں اپنے رب کے یہاں وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے اور اس کے لیے انھیں ذرا بھی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ. (الزمر ۳۹/۳۴)	انھیں [متقین کو] اپنے رب کے یہاں وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے۔ یہ ہے احسان کرنے والوں کی جزا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقویٰ واحسان میں بہت گہرا تعلق ہے احسان دراصل تقویٰ کے ثمرات میں سے ہے۔ تقویٰ نیکی، نیک عمل ونیک برتاؤ کے لیے بہترین محرک ثابت ہوتا ہے۔ ایک دوسری آیت میں ہے کہ جو کچھ متقیوں کو ان کے رب کی جانب سے مل رہا ہوگا وہ خوش ومطمئن ہوکر اس سے لطف اندوز ہورہے ہوں گے اور ان سے یہ کہا جائے گا کہ یہ نعمتیں انھیں اس وجہ سے نصیب ہورہی ہیں کہ وہ اس سے پہلے کی زندگی میں احسان کرنے والے تھے۔ ان کی مزید خوشی کے لیے اللہ رب العزت ان سے

یہ فرمائے گا کہ نہایت خوشگواری کے ساتھ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہو، یہ تمھارے نیک اعمال کا صلہ ہے اور ہم احسان کی روش اختیار کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ عنایت کرتے ہیں۔ متعلقہ آیات ملاحظہ ہوں:

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَعُيُونٍ. آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِينَ. (الذاریات ۱۶/۵۱)

بے شک اہل تقویٰ [آخرت میں] باغوں اور چشموں میں ہوں گے، جو کچھ ان کا رب انھیں دے گا وہ اسے خوشی خوشی لے رہے ہوں گے، وہ اس دن کے آنے سے پہلے احسان پر عمل کرنے والے تھے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ. وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ. كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ. إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ. (المرسلات ۷۷/۴۴)

بے شک متقین سایے و چشموں اور اپنے من پسند پھلوں میں ہوں گے۔ کھاؤ پیو مزے لے کر اپنے ان اعمال کے صلہ میں جو تم کرتے رہے ہو، ہم احسان کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

تقویٰ واحسان میں بہت گہرے تعلق پر یہ حقیقت بھی شاہد ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈر کر اپنے کو غلط کاموں و برائیوں سے بچائے گا اور اپنے آپ کو ان کاموں کا خوگر بنائے گا جو اسے راضی کرنے والے ہوں گے وہ لازمی طور پر احسان کی روش اختیار کرنے والا ہوگا۔ وہ ایک جانب اللہ کی عبادت میں مخلص ہوگا۔ دوسری جانب اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی، ہمدردی وخوش خلقی کا مظاہرہ کرے گا۔ مزید براں متعدد آیات (النساء/ ۱۲۸، المائدہ/ ۹۳، النحل ۱۶/ ۱۲۸) میں تقوی واحسان یا متقین ومحسنین کا اس طرح ساتھ ذکر آیا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں لازم وملزوم ہیں، اسی طرح بعض آیات میں صالحین کو بھی محسنین کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ایک جگہ صالحین کا ذکر کرتے ہوئے انھیں یہ خوش خبری سنائی گئی ہے:

خَالِدِينَ فِيهَا وَذٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ. (المائدہ ۵/۸۵)

وہ ان [باغات] میں ہمیشہ ہمیش رہے گے اور یہ جزا ہے احسان کی روش اختیار کرنے والوں کی۔

آخر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم سے

بھرپور استفادہ کے لیے بھی احسان کی روش اختیار کرنا ضروری ہے یہ بات خود قرآن سے معلوم ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

الم. تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ. هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ. (لقمان ۳۱/۳)

ا-ل-م یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں اور ہدایت و رحمت ہیں احسان کا رویہ اپنانے والوں کے لیے۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتاب ساری دنیا کے لیے باعثِ رحمت و ذریعہ ہدایت ہے لیکن اس کی ہدایت سے اصلاً وہی لوگ فائدہ اٹھانے والے ہیں اور اس کی رحمت سے صحیح معنوں میں وہی لوگ فیض یاب ہونے والے ہیں جو اس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے احسان کا رویہ اپناتے ہیں۔ وہ اللہ سے اپنا تعلق مضبوط کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور اللہ کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی اخلاص و سنجیدگی کا ثبوت دیتے ہیں۔

اوپر کے مباحث سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ احسان ایک بہت ہی جامع لفظ ہے جو قرآن میں اخلاص، نیکوکاری، پرہیزگاری، خیرخواہی، ہمدردی، حسنِ اخلاق، مالی اعانت و حمایت مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اسے مختصراً تعبیر کیا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ بندگی اور حقوق العباد کی دیانت دارانہ ادائیگی سے۔ احسان ایک ایسا وصف ہے جس کے تقاضوں کو پورا کرنا اللہ سے قربت پیدا کرتا ہے تو دوسری جانب اللہ کے بندوں سے تعلقات کو خوش گوار بناتا ہے۔ موجودہ دور میں جب کہ ظلم و ستم، قتل و غارت گری، انسانی حقوق کی پامالی کے واقعات بڑھتے جارہے ہیں، خود غرضی، نفس پرستی، نفرت و عداوت، اختلاف و افتراق جیسے منفی جذبات تیزی سے ابھر رہے ہیں۔ ان حالات میں قرآن کا تصورِ احسان بڑی اہمیت و معنویت رکھتا ہے۔ یہ کتاب ہدایت و رحمت تمام انسانوں کو یہ دعوت دیتی ہے کہ وہ محبت و ہمدردی، خیرخواہی و نرم روی، خوش گفتاری و بلند کرداری جیسے اوصاف حمیدہ کو اختیار کریں اور احسان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی میں اخلاص سے کام لیں۔ اسی پر تعلقات کی بہتری، معاشرتی و معاشی زندگی کی خوش گواری اور دونوں جہاں کی فوز و فلاح منحصر ہے۔ اللہ کرے ہمیں ان باتوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہو۔ اللہ الموفق وھو المستعان۔